OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی صوفی فکر پر مولانا رومیؒ کے اثرات

Impact of *Mawlānā Rūmī* on the Sufi thought of *Mawlānā Ashraf Alī Thānvī*

Hafiza Tasmia Sajjad
M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies and Comparative Religions, The Women University Multan
Sumera Safdar
Lecturer Department of Islamic Studies and Comparative Religions The Women University Multan

Abstract

Sufism is the spirit of *Shari'at*. By accepting Islam, following the rules of *Shari'at*. fully, seeing the angels in the world of the unseen and being present before Allah Almighty. Sufism makes this fact clear to the seeker that man. The material body and all the requirements of the material body are subject to the soul and without the soul the material body is a dead body. When a religious person starts loving Allah Almighty, he enters the realm of Sufism. The development of Islam in India is owed to the existence, personality and character and preaching of the Sufis. Sufism is not a conflict with Islam, but is a part of Islam itself. Sufism is the guarantor of world peace and the bearer of respect for humanity. Undoubtedly, the credit of Islam in the subcontinent is due to Sufis. A large number of Sufis in the Indian subcontinent were influenced by the teachings of Maulana Rumi, even in the Indian subcontinent, Maulana Rumi is remembered with great devotion and respect as not only a poet but also as a Jaid Sufi and sage.

Key words: Sufism, *Shari'at*., the Mentor, Islam

CC BY

تمہید

اللہ اور بندے کے درمیان علاقہ قائم رکھنے والی چیز اعتصام با الکتاب والسنہ ہے۔ دوسری صدی ہجری میں اسلام کے روحانی و باطنی احکام تصوف و طریقت کے نام سے معنون ہوئے۔ تصوف کے اجزائے ترکیبی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار میں بھی موجود تھے۔ تصوف نہ صرف اسلام کی روحانی و باطنی خوبیوں اور روحانی اقدار کا مجموعہ ہے بلکہ یہ اسلام کے تمام پہلوؤں بشمول علمی، فکری، عملی، سماجی، ثقافتی اور تہذیبی جہتوں کو اخلاص کے رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ایمان، عقائد، عبادات، آداب معاشرت اور معاملات کے ابواب میں تعلیم وہدایت اور عملی نمونہ سے امت کی رہنمائی فرمائی ہے، اسی طرح روحانی اور قلبی حوالے سے بھی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی محبت و خشیت، یقین و توکل، احسان و اخلاص جیسی صفات اور تزکیہ اخلاق کے متعلق اہم ہدایات دیں۔ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ امت کے لیے قابل تقلید مثال ہے۔ الغرض ایمان اور اعمال صالحہ کی طرح یہ بھی دین کا ایک مستقل اور اہم شعبہ ہے اور یہی تصوف و سلوک کا خاص موضوع ہے۔ بلاشبہ برصغیر میں اسلام کا سہرا صوفیاء کرام کے سر ہے۔ برصغیر پاک وہند میں صوفیاء کی ایک بڑی تعداد مولانا رومؒ کی تعلیمات سے متاثر ہوئی، یہاں تک کہ برصغیر پاک وہند میں بھی مولانا رومؒ کو نہ صرف ایک شاعر بلکہ ایک جید صوفی اور بزرگ کی حیثیت سے بھی بڑی عقیدت و احترام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تصوف اسلام کی ایک شاخ ہے جو روحانی ترقی پر مرکوز ہے، تصوف دراصل خدا کی فطرت، روحانی خصوصیات اور ذکر (رسماً و جسماً) سے آگاہی حاصل کرنا اور شریعت کی وضاحت کرنا ہے۔

حضرت داتا علی ہجویریؒ فرماتے ہیں: "تصوف نیک خو ہونے کا نام ہے لہٰذا جو زیادہ نیک خو ہے تصوف کے نزدیک تر ہے اور نیک خوئی دو قسم کی ہوتی ہے ایک مخلوق کے ساتھ اور دوسری حقیقت حقِ تعالیٰ کے ساتھ۔ خدا کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ اس کی قضا و قدر پر راضی رہیں اور مخلوق کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ حق کی خاطر ان کی صحبت کا بار برداشت کیا جائے"۔[1]

لفظ صوفی "صفا" سے مشتق ہے اور کدورت اس کی ضد ہے۔[2] ابو القاسم قشیریؒ صوفی کی تعریف میں فرماتے ہیں: "صوفی وہ ہے جو حق کی طرف سے اپنے اوپر ظاہر ہونے والے احوال کی وجہ سے اپنی ذات سے بے خبر ہوتا ہے صوفی اللہ کی تدبیر اور تصوف کے سامنے مقہور ہے اور عبدیت کے تصرفات کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے"۔[3] صوفی میں تغیر نہیں ہوتا اگر تبدیلی آئے بھی تو اس میں "میل" نہیں ہوتی۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: "تصوف "صفائے باطن کی وہ صفت ہے جس پر بندے کا مستقل قیام ہونا چاہیے تصوف دراصل تفعل ہے اور تفعل کے لیے تکلیف لازمی ہے"۔[4] صفائے باطن اللہ کے دوستوں کی صفت ہے اور وہ مانند آفتاب ہے اور آفتاب بھی وہ ہے کہ جو بازوؤں میں چھپا ہوا نہ ہو (بلکہ صاف روشن ہو) صفا چونکہ صفت دوستانِ حق ہے اس لئے جس نے اپنی صفت کو فنا کر کے دوست کی صفت میں بقا حاصل کر لی، اصلی دوست وہی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے صوفیانہ افکار پر مولانا رومیؒ کے اثرات

زمانہ قدیم سے لے کر آج تک مولانا رومؒ شاید تاریخ اسلام کی واحد شخصیت ہیں جنہیں ظاہری اور باطنی دونوں علوم پر یکساں دسترس حاصل ہے۔ برِ صغیر پاکو ہند کے بہت سے صوفیاء کرامؒ مولانا رومؒ کی تعلیمات سے متاثر ہوئے جن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بڑا کردار ہے۔ مولانا روم کی تعلیمات سے متاثر ہو کر آپؒ نے اپنے صوفی مضامین کو مولانا رومؒ کے اشعار (مثنوی) کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی صوفی فکر پر مولانا رومؒ کی صوفی فکر کے گہرے اثرات ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تصوف کے مراحل کی تکمیل سے متعلق بہت سی چیزویں خیال فرماتے ہیں جن میں وہ انتہائی اہم باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے آداب تصوف سکھاتے ہیں جو مکمل طور پر قرآن و حدیث کے مطابق ہیں۔ چونکہ مولانا رومیؒ کی مشہور تصنیف "مثنوی" جو ہر انسان کے لیے مشعل راہ ہے اور تصوف کی راہوں کو عبور کرتے ہوئے تکمیل کی راہ تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے، اس لیے مثنوی کی برکات اور اہمیت کو بیان کرنے کے لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قوم کے بزرگوں کو بتایا۔ فرماتے ہیں کہ: "یہ ایک برکت کی کتاب ہے اس کا خواندن صرف خواندن (نوشتن مہارت) ہی نہیں رہتا بلکہ عمل کے درجے تک پہنچ جاتا ہے"[5]

تنبیہات

مثنوی پر غور و فکر کرنے والوں کے لیے یہ بات اہم الحال ہے کہ وہ سلیم الطبع، صحیح العقیدہ اور صاحب علم تصوف ہو۔ فارسی زبان اور دینی علم سے واقف ہوں اور مزاح سخن رکھتے ہوں اگر تصوف کو مکمل طور پر نہ جانتا ہو تو کم از کم اس کا شوق اور روح کی گہرائیوں میں کچھ عمل پیرا ہوں اگر خود حق بات کہنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو محققین کی صحبت میں ایک مدت تک رہ کر اس سے مستفیذ ہوا ہو۔ اگر صاحب حال ہو تو نور علی نور ہے کیونکہ صاحب علم ہی اس راہ کو سمجھ سکتا ہے غیر صاحب حال اس راہ کی قدر و منزلت تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ بعض مقامات پر اس راہ سے بھٹکنے کا بھی خدشہ ہے آلا ان یعصمہ اللہ۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

اندریں بحث از خرد رہ بین بدی

فخر رازی راز دار دین بدے[6]

مثنوی کے بعض مضامین بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، لیکن اگر ان کا بغور مطالعہ کیا جائے اور مثنوی سے ان کی تفسیر و تشریح کو فہم و ادراک کے ساتھ سمجھا جائے تو تمام شکوک و شبہات دور ہو سکتے ہیں اور مثنوی کو پڑھنا اور سمجھنا ممکن ہو جاوے گا۔ ادب یہ ہے کہ اس کی تفسیر کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ عارفی صاحبؒ نے "بصائر حکیم الامت" میں ایسی بہت سی باتیں واضح کی ہیں جن کی وضاحت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مثنوی کی روشنی میں کی ہے۔

مقاصدِ طریقت کے حصول کا دستور العمل

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے طریقت اور تصوف کی حقیقت اور اس کی ابتداء کو بیان کرنے کے لیے چند مضامین اور ہدایات پر غور کروایا ہے۔ یہ ہدایات مقاصد طریقت کے حصول کا اہم دستور العمل ہیں۔

ہدایت اول: سلوک

سلوک کے معنی ہیں راستہ، یعنی قربِ الٰہی اور وصلِ الٰہی کے راستے پر چلنا۔ طالب وہ ہے جو خدا کے قرب کی راہ پر گامزن ہو، خواہ اسے کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔ اسباب (طریقت کی منزلوں کو مجاہدات و ریاضات اور اتباعِ سنت و شریعت و طریقت) کا تعین کر کے منزل تک پہنچنا تصوف کہلاتا ہے۔ حضرت ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ: "توبہ خالصہ یہ ہے کہ گناہ کو اس وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہوں اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حق ادا کر دے" نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: النَّدَمُ تَوْبَةٌ[7] "نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے" صحیح ترتیب سلوک مرتبہ دوم کی یہ ہے کہ پہلے تو گناہوں سے توبہ خالصہ کرے اور کچھ عبادات واجبہ، نماز وغیرہ اور دیگر معاملات میں کوتاہی ہوئی تو ان کی قضا کرے اور اگر اس کے ذمہ حقوق العباد میں کتاہی ہوئی تو ان کو پورا کر کے اپنے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے توبہ کرے اور پھر

اس پر جمارہے جس کو "توبت النصوح" کہاجاتا ہے۔ سید ابوذر نے سید ابی سے پوچھا کہ "توبۃ النصوح" کیا ہے؟ فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا اللہ تعالی سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا"۔

حکیم الامتؒ جو توبہ خالصہ کے بارے میں کچھ باتیں واضح کرتے ہیں کہ توبہ کے بعد اگلی زندگی کے لیے بھی وعدہ کرو کہ وہ پورا ہو گا، دنیا چاہے کتنی ہی دشمنی کیوں نہ کرلے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ رہے گی۔ وہ کبھی دینِ حق کے راستے سے نہیں ہٹے گا۔ اور شریعت کا پورا خیال رکھے گا اور اطاعت کو ہاتھ سے جانے نہ دینے کا عہد کرے گا۔ کیونکہ طالب کی تو یہی شان ہوتی ہے۔ جس کو عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی
بے سرو گنج لصد حشمت قاروں باشی
در رہ منزل لیلی کہ خطرہاست بجان
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

جب توبہ اور عزم دونوں متعین ہوں اور اس پر پوری طرح عمل کیا جائے تو جتنا چاہے دین کے علم کی طرف متوجہ ہو۔

بیعت

اگر بیعت کو دینی اصلاح میں بیان کیا جائے تو یہ ایک مختصر اور جامع چیز معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے راستے سچے دین کے راستے پر کھڑے ہونے کی طرح دشوار ہیں۔ کسی نبی یا ولی یا صاحبِ نسبت بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر گناہوں سے توبہ کرنا اور اس بزرگ کی اطاعت کا اقرار کرنا۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حتمی بیعت واقعی مضبوط ہے یا نہیں؟ بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ بیعت اپنے اندر "بیع" کا معنی لیے ہوئے ہے شیخ کے ہاتھ بک جانا ہے جس میں اپنے آپ کو شیخ کے ہاتھ احکام ظاہرہ وباطنہ کے التزام کے واسطے گویا بیچ رہا ہو۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ طالب کو اپنے شیخ پر بھرپور اعتقاد اور کلی اعتماد ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے جو مشورہ دے گا میرے لیے نافع ہو گا شیخ کی تجویز و تشخیص میں دخل نہ دے اس کو اصطلاح تصوف میں وحدت مطلب کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس بات کی غرض وغایت سمجھنا ضروری ہے کہ بیعت کی غرض کیا ہے؟ کیونکہ مختلف مقاصد ہیں، کچھ دریافت اور عظمت کی سیڑھیاں چڑھنا چاہتے ہیں، ان میں سے کچھ کے دل و دماغ میں یہ بات ہے کہ اس سلسلہ میں داخل ہونے سے ہی وہ اپنے ہر عمل کے ذمہ دار ہوں گے اور ان کی بخشش کے ذمہ دار ہوں گے۔ یا وہ قیامت کے دن جہنم سے بچ جائیں گے جبکہ یہ خیال محض قیاس کے زمرے میں آتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمه انقذی نفسک من النار[8] (اے فاطمہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو جہنم سے بچالیں)۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

فراق و وسل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیرہ او تمنائے
پس زبون وسوسہ باشی دلا
گر طرب را بار دانہ از بلا[9]!

پاسِ انفاس کی حقیقت

پاس انفاس کی اگر لغت میں بات کی جائے تو کچھ اس طرح ہے: "عموماً پاس انفاس مستعمل ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا لفظ جاری ہو۔" پاسِ انفاس کو اگر اصل معنوں میں بیان کیا جائے تو اس میں کئی طرح کے ذکر آتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ O[10] اور اذکار کی مشق جتنی زیادہ ہو گی نقوش اتنے گہرے ہوتے جائیں گے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب قرب الی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے اور پھر اس دعا کو تکمیل مل جاتی ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ O[11] اذکار کی تین اقسام ہیں: لسانی، قلبی اور بالجوارح۔

- لسانی ذکر میں زبان سے کئے جانے والے اذکار ہیں۔
- بالجوارح کی اگر بات کی جائے تو اس میں نماز یعنی رکوع و سجود وغیرہ آتے ہیں۔
- اسی طرح اگر ذکر قلبی کی بات کی جائے تو یہ قسم اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے اس کو دل کی دھڑکنوں کے ساتھ یاد کرنا۔ ذکر قلب کے حامل کو ذاکرِ قلبی بھی کہا جاتا ہے۔

ذکرِ خفی سے مراد مخفی ذکر ہے جو کہ تمام زندہ روح سے پوشیدہ ہو کر کیا جائے۔ حضرات نقشبندیہ کے ہاں ذکرِ خفی سب سے افضل ہے۔ امام احمد بن حنبل، ابنِ حیان، بیہقی وغیرہ فرماتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ، وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي "بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو انسان کے لئے کافی ہو"۔ اذْكُرُوا اللَّهَ تَعَالَى ذِكْرًا خَامِلًا، قَالَ: فَقِيلَ: وَمَا الذِّكْرُ الْخَامِلُ؟ قَالَ: الذِّكْرُ الْخَفِيُّ[12] اللہ کو یاد ذکرِ خامل کے ساتھ کرو. پوچھا گیا ذکر خامل کیا ہے؟ فرمایا: ذکرِ خفی ہے۔ ذکرِ خفی کو ذکر قلب اور دوامی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اللہ کا ذکر خواہ دل کا ہو یا زبانی، انفرادی ہو یا اجتماعی، اس کی اہمیت مسلم ہے۔ ہر وقت مشق کرنے سے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ فضل الٰہی مل جاتا ہے۔ زبان خاموش ہے تو دل اللہ کی یاد میں مشغول ہے۔ اسی کو "ذکرِ کثیر" کہتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو تم کسی بہرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو تم سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے"۔[13] اگر پاس انفاس کی حقیقت کو زیادہ عام الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی سانس، کوئی دم نہیں غفلت میں نہ گزرے، خواہ معمولات میں کوئی کتنا ہی ذکر کرلے۔ انفاس کے گزرنے کے مختلف طریقے ہیں کہ اگر ذکر کے دوران ظاہری اور باطن میں اجتماع اور عاجزی ہو تو یہ طلب اور تڑپ روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور پریشانیاں اور خطرات روز بروز کم ہوتے جاتے ہیں۔ پاس انفاس میں استغفار کرنا، اس میں تقویٰ اختیار کرنا، یاد اور غور و فکر کرنا اور قرب الٰہی کا راستہ متعین کر کے منزل تک پہنچنا بہت ضروری ہے، اس کے لیے یہی سبب کافی ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا[14]

پاسِ نفس کے علوم جن کا ذکر ہو چکا ہے یہی "کشف الٰہی" کہلاتے ہیں۔

مجاہدہ ثانیہ

مجاہدہ کی تعریف اگر کی جائے تو مجاہدہ کا لفظ "جہد" سے نکلا ہے، جس کا معنی "دشمن سے لڑنا، پوری طاقت لگا دینا، پوری کوشش کرنا اور جہاد کرنا" ہے۔وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاوَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَO[15]"اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنی راہیں دکھائیں گے اور بے شک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔"مولانا تھانویؒ پاسِ نفس کے بعد مجاہدہ ثانیہ کی طرف توجہ کرواتے ہوئے رومیؒ کی لکھائی بیان کرتے ہیں اور حال کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

خوابِ تحقیق

خوابِ تحقیق میں بیداری کا اہتمام لازم ہے کیونکہ خواب دیکھتے رہنے سے تکمیل نہیں ملتی۔ مولانہؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا پہلے تمام تر توجہ الی اللہ تھی۔ اب تقاضائے معصیت مغلوب آچکا اور جو جمعیت اور سکون اور یکسوئی حاصل تھی اس حالت کو رخصت کر بیٹھے ہیں کہ وہ حالت ہی نہیں رہی اور پہلے جیسی یکسوئی نہ رہی۔ کما قال رومیؒ:

فنان از بد بہا کہ در نفس ماست

کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

اور جب حال بیان کرتا ہے تو یہ بھی کہتا ہے کہ اس حالت سے دل بھی بہت کڑھتا ہے کہ جان گھلتی ہے۔

چہ ہر چیز دراز دست و تدبیر[16]

وقت مجاہدہ ثانیہ کے بعد مجاہدہ اولی یہی ہے کہ جس کے نامانے سے ایک سالک کو شبہ رجعت ہو جاتا ہے اور جن اوقات سے مایوس ہو کر نوبت رخصت تک آجاتی ہے۔ حالانکہ یہ کمال سلوک کے لوازم عادیہ سے ہے، اس کی اصل یہ ہے کہ ابتداء میں جوش کی زیادتی ہوتی ہے، امور طبیعیہ مغلوب ہو جاتے ہیں تو توسط یا انتہا میں ہوش کم ہونے سے وہ امور طبیعیہ پھر عود کر آتے ہیں کیونکہ ان کا زوال نہیں ہو تا یہ صرف مغلوب ہو گئے تھے۔ اگر ذکر کی زیادتی نہ کرے اور اس کی مشق کرتا رہے تو حالت پہلے جیسی ہو جائے گی جس سے راحتِ قلب میسر ہو جاوے گا۔

معارف وحقائق

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے موضوع کشف میں معارف و حقائق کی بابت کو مولانا رومیؒ کی صوفی فکر کے اثر کی روشنی میں اس طرح بیان کرتے ہیں: "اقسام علوم اور اس کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیے کہ معارفت و حقائق میں ہر شخص کا مبد گانہ مذاق ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حقائق و معاون وہ مقبول ہیں جن کو شریعت رد نہ کرے۔" سر یہ میں ابو سلیمان داوانی کا قول منقول ہے: "اکثر میرے دل میں کوئی نقطہ اسرار صوفیاء میں سے آتا ہے مگر میں اس کو بلا دو عادل گواہوں کے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت ہے، قبول کرتا ہوں۔ جو باطن کے ظاہر کے خلاف ہو، وہ باطل اور مردود ہے۔"

حقیقت قرب

قرب نام ہے کمال دین کا: یہاں سب سے پہلی چیز اللہ کا قرب ہے۔ اللہ کا مقرب بندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو جہاں تک ممکن ہو خصوصی رحمت سے نوازا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:وَاَدْخَلْنَاهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَااِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِیْنَO[17]"ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا" ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ O[18]" اللہ تعالی ان کو ضرور اپنی رحمت میں داخل کرلیں گے۔" مولانا تھانویؒ اللہ کے قرب سے مراد کو مولانا رومیؒ کی تعلیمات میں بہت ہی خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: قرب نام ہے کامل ایمان اور عمل صالح یا کمال دین کا، خصوصا جب وہ امر طبعی کا حال بن جائے کہ دینی

زندگی اور دینی احکام کی اطاعت طبیعت بن جائے اور زندگی کی ہر حرکت و سکون میں وہی بات بالطبع مرغوب و پسند ہو اور ادا کرنے کو جی جائے جو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو اور اس کی مرضی ہو۔ ایسی صورت میں نہ دین سے کسی قسم کی محبت کی قدرت ہے اور نہ ارتداد کا اندیشہ ہے۔

ای برادر بے نہایت در گہی ست

ہر چہ بروے می رسی بروے مایست

پس جس نے علم، اعمال صالحہ اور نیکیاں جمع کیں، اسے لذت کی دولت مل گئی۔ دولت کا اصل مقصد دل کا سکون ہے اور اس سے بڑھ کر خوشی اور سکون کیا ہو گا کہ سچا محبوب قناعت اور مقرب ہو۔ قرب کے مختلف درجات ہیں۔ ایک قرب، قرب حقیقی ہے، جسے ادراک کی حقیقت بھی کہا جاسکتا ہے، اور اس کی حقیقت پردے کی طرح ہے، کیونکہ ادراک پردہ کی خواہش ہے۔ اور خلق (بندہ) ممکن ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ واجب ہے۔ ممکن صرف محدود ہے جبکہ واجب لامحدود ہے۔ ایک قرب مجازی ہے اور ایک قربِ حقیقی، جو اللہ تعالی کے ساتھ ہر چیز کو حاصل ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدo[19] اور ایک قرب علمی و بصری و سماع ہے، جس کے لیے بیان مقصود ہے۔ مثال کے طور پر کبھی ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں پاس ہوں، کہو کیا کہنا ہے؟ لیکن کیا یہ قرب خاص و خاص یا معراج تک پہنچنے کا ذریعہ ہے؟ ارشاد ربانی ہے:وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُم بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَo[20] یہ آیت قربِ رضا کی حقیقت کو واضح کرتی ہے یعنی اللہ تعالی کا راضی ہونا، جو کہ بعض ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ طریق کا اول و آخر قدم فنا ہے: تصوف کی اصطلاح جو دراصل دو متضاد اور مختلف اصطلاحوں پر مشتمل ہے لیکن دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ "بقاء و فنا" لغت کے اعتبار سے بقا کی تین اقسام ہیں:

- **اول:** وہ بقا کہ جس کی ابتدا میں بھی فنا ہو اور آخر میں بھی فنا ہو۔
- **دوم:** وہ بقا جو پہلے کبھی بھی نہ تھی اور بعد میں وجود میں آئی اور پھر کبھی فنا نہیں ہو گی۔ جیسا کہ بہشت، جہنم اور عالمِ عقبیٰ کے رہنے والے ابتداء میں نہ تھے۔
- **سوم:** وہ بقا جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔

حضرت داتا علی ہجویریؒ کے مطابق فنا و بقا کی اصطلاح کچھ یوں ہے: "فنا و بقا کی اصطلاح نافذ کرنے والا سعید الخزار ہے"[21] ان کے نزدیک فنا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی بندگی کو دیکھنے سے فانی ہو جائے اور بقا کا مطلب یہ ہے کہ بند مشاہدہ الٰہی کے ساتھ باقی رہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: "راہ طریقت میں پہلا قدم فنا ہے، جس میں یہ صفت نہیں وہ یہ سمجھ لے کہ اس کو طریق کی ہوا بھی نہ لگی"۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن

پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت[22]

نفسانی ملکات کی حقیقت

ملکات

اردو لغت میں ملکات اسم مذکر یعنی جمع "ملکہ" ہے، جو طبیعت میں ہر ایک شے کے حاصل کرنے کی قوت ہوتی ہے مثلاً مزاج، جوہر، لیاقت کے وغیرہ۔ نفسانی ملکات سے مراد جسمانی مال۔ انسانی روح جو کہ پیدائش کے آغاز میں کمزور سادہ اور بے رنگ ہوتی تھی، وقت کے ساتھ ساتھ مختلف صلاحیتیں حاصل کر لیتی ہے اور مخصوص شکل اختیار کر لیتی ہے۔ نفس کی ان مستقل صلاحیتوں کو ملکہ کہا جاتا ہے۔ ملکات انسان کی روح کے لیے ایسا وصف ہے جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی مرضی اور تدبیر سے اور عمل کے دوران کلی نتیجوں میں ابھرتا ہے اور اس کے ظاہر ہونے کے بعد اس کے عمل کو تیز وتر اور آسان بنا دیتا ہے۔ ایک شخص نفسانی ملکات لے کر حضرت والاؒ کے پاس آیا اور پوچھا کہ یہ مجھ میں کیوں ہیں تو اس نے افسوس کا اظہار کیا اور اصلاح کی درخواست کی، لیکن حضرت والا نے اسے تسلی دی اور فرمایا: یہ سب مجھ میں بھی ہیں، تم کیوں پریشان ہو؟ کیونکہ یہ جبلتیں ہیں اور جبلتوں کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا، لیکن ہمت اور تحقیق کے ساتھ ان پر قابو پایا جا سکتا ہے، کیونکہ اگر ان ملکات کے تقاضوں پر عمل کرنے کی اجازت نہ دی جائے تو ان پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس سے عمل کا ثواب بڑھتا ہے۔ اور تزکیہ نفس بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسی کو مولانارومیؒ فرماتے ہیں:

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است

کہ ازو حمامِ تقوی روشن است[23]

کامیابی یا ناکامی کا استدلال کیفیات سے غلط ہے۔ کامیابی اور ناکامی بھی زندگی کا حصہ ہے جب ہمیں کامیابی مقصود ہوتی ہے تو ہم میں لگن بڑھتی ہے لیکن کہیں ناکامی آجائے اور بار بار آتی رہے تو دل مایوسیوں میں گر جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:وَعَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَo[24] مجاہدات کا حال پڑھنے کے بعد اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے قوی شبہ بھی ہو جاتا ہے کیونکہ نہ اتنی قوت اور نہ ہی خلوص فی المجاہدات۔ لیکن اگر رہبر باشریعت اور شمع وہدایت کا پیکر ہو تو یہ سب باآسانی مل سکتا ہے تاہم تسویلِ نفس جاری ہے مولائے رومؒ فرماتے ہیں:

خاک شو در پیش شیخ باصفا

تاز خاک تو بر دید کیمیا[25]

اپنا ہر حال ناقص ہے

زندگی کے عمل میں انسان اکثر بدحواسی اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے اور اکثر اس مسئلے کو اپنے مرشد کے پاس لے جاتا ہے اور اس کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن یہاں بات یہ ہے کہ انبیاء کے علاوہ کوئی بھی درجہ کمال پر فائز نہیں ہے۔ ہر کوئی کہیں نہ کہیں غلطیاں کرتا ہے۔ ہر ایک کی اپنی خامیاں ہیں۔ خواہ نقائص حقیقی ہوں یا اضافی۔ اضافی نقائص اکثر ہماری طرف سے پیدا ہوتے ہیں، جن کے لیے تریاق تلاش کرنا واجب نہیں ہے۔ جی ہاں۔ فضیلت کی توقع ایک عزم ہے۔ صحت کی فکر کرنا اور تدبیر ترک کرنا جائز نہیں بلکہ قربت بھی کمال پر مبنی نہیں ہے۔ پریشانی امید افزا ہے۔ اللہ کی قسم، مدت ختم ہونے سے ہی مرہم ملے گا۔ وھذا ھو معنی ما قال الرومی:

اندریں رہ می تراش و می خراش

تادم آخر دمے آخر بود

تادمِ آخر دمے فارغ مباش

کہ عنایت باتو صاحب سر بود[26]

خیر الاختیار فی الاختیار (انتخاب میں بہترین انتخاب)

جو چیزیں آسانی سے مل جاتی ہیں ان میں بھی اکثر کسی جگہ جا کر کلفت اٹھانی پڑتی ہے، جیسا کہ کئی بار مرشد کے پاس بیٹھنے سے حالات میں بہتری آئی لیکن جیسے ہی وہ حضور کی خدمت سے اٹھے، سر پرستی غائب ہوئی تو وہ صورت حال آہستہ آہستہ دور ہوتی گئی اور اس طرح نقصان ہوا۔ بعض دفعہ کوئی چیز ہمیں اچھی لگتی ہے اور ایک وقت میں اس کا اثر باقی رہتا ہے، لیکن کون جانتا ہے کہ وہ چیز ہمارے لیے اچھی نہیں ہو سکتی۔ اللہ نے ہمیں دنیاوی آسائشوں کے لیے نہیں بھیجا ہے۔ لوگ لذت کی تلاش میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ تفریح کے ذریعے سہولت پیدا کی جائے، لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ[27]o "ہم نے انسان کو مشقت کے لیے پیدا کیا" لیکن انسان طالب ہے سہولت کا۔ وہ بارہا جس شاخ پر بیٹھا ہوتا ہے، اس کو اپنے ہاتھوں سے کاٹ رہا ہوتا ہے۔ کما قال رومیؒ:

یکے بر سر شاخ و بن نے برید

خداوند بستان نگاہ کرد و دید

اس طرح یہ لوگ اپنے دلوں میں مشوش (الجھن) پیدا کرتے ہیں اور مشوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ جمعیت نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو نماز میں بھی شک ہوتا ہے اور یہ سب بشری تقاضے ہیں، یہ سب فطری ہیں اور اسی طرح ہمت اور جرأت سے کام لینے سے ان سب سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن ہے۔ ہر وقت ہمت اور استغفار سے کام لے تا کہ منزل مقصود تک پہنچ جائے۔

وصول کا آسان طریقہ

دو چیزوں سے وصولی کا طریقہ بالکل آسان اور راحت بخش ہو جاتا ہے۔ ایک صاحب نے سوال کیا مولاناؒ تصوف اور تصوف میں قرب الٰہی حاصل کرنے کا سب سے آسان اور کم سے کم طریقہ کیا ہوگا، تا کہ ہم اللہ کے قریب ہو جائیں اور اللہ کو آسانی سے حاصل کر سکیں۔ تو فرمایا کہ دو چیزیں اگر اپنی زندگی میں اپنا لی جائیں اور اطاعت کر لی جائے تو وصول الی اللہ کا حصول انتہائی آسان ہو جائے گا۔

- اول (پہلا طریقہ): مع اللہ۔
- دوم (دوسرا طریقہ): اتباع سنت۔

ارشاد ربانی ہے: وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ[28]o "اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور انہیں راہ دکھائیں گے۔" اس میں "جاھدو" سے مراد ہے "غور و فکر کرنا"۔

دعا و مناجات، مسلسل کوشش، ہمت اور جستجو، یہ سب چیزیں کامیابی کی کنجی ہیں۔ لیکن ہار نہ ماننا پہلی شرط ہے۔ اپنے نفس سے، تکبر سے چھٹکارا حاصل کرنا اور اللہ کے سامنے نوحہ کرنا، تکبر اور نافرمانی، ان سب کو اپنے نفس سے نکالنا، اس کے بعد حاصل ہونے میں دیر نہیں لگتی اور کامیابی مقدر بن جاتی ہے۔ مصائب مجاہدہ غیر اختیاری ہے۔

مجاہدہ کی تعریف

مجاہد "جہد" سے نکلا ہے جس کے معنی "کوشش کرنا" ہے۔ مجاہدہ سے مراد دشمن سے لڑنا ہے۔ دشمن صرف ظاہری نہیں ہوتا بلکہ سب سے بڑا ہمارا نفس ہوتا ہے، جس کے خلاف ہمیں خود لڑنا پڑتا ہے۔ جب اللہ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اور اس کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے، جب اسے عاجز دیکھتا ہے تو اسے ایسی مشکل میں ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کو یاد کرتا ہے، اللہ اپنے بندے کو اپنے قریب کرنے کے لئے کسی دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے، یا اسے تکلیف پہنچاتا ہے۔ کوئی بیماری، یا اسے اذیت، خاص طور پر عیب جوئی وغیرہ، جس سے اس کی روح کو سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتا ہے، اور وہ اللہ کی رضا کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگتا ہے، پھر اسے روحانی طاقت جیسی دولت عطا ہو یت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو "ان مع العسر یسری" کے مطابق قبولیت و شرف عطا فرماتا ہے جس میں نہ اس کا غرور ہوتا ہے اور نہ تکبر ہوتا ہے، اس کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے اور اسے نیاز میں ترقی ملتی ہے۔ جاہِ عظیم میسر ہو جاتی ہے، آرزو بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اللہ کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو حد سے زیادہ تکالیف اور مصائب کیوں آتے تھے؟ تاکہ ان کے درجات بلند ہوں اور پھر "عسر" کی وجہ سے "یسر" میں کوئی اشکال نہ ہو گا۔ ان سب کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ عسر، یسر باطنی آسانی کا باعث ہے لیکن اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت سے "یسر ظاہری" کا سبب بن جاتا ہے۔ کما قال رومیؒ:

ساقیا بر خیز دور دہ ایام راہ
خاک بر سر کن غمِ ایام را
گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام[29]!

معصیت بڑی مہلک چیز ہے

سلسلہ گفتگو میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ نافرمانی ایک عظیم اور مہلک چیز ہے جس سے بچنا ضروری ہے، یہ وقت اور گھڑی بندے کے لیے نہایت مبغوس اور منحوس چیز ہے جس میں وہ اپنے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ کما قال رومیؒ:

تو ہم از گردن از حکم داور پیچ
کہ گردن نہ پیچد بحکم تو ہیچ
ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید[30]

معصیت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ کبھی کبھار کسی معمولی گناہ کو لاپرواہی سے کبیرہ گناہ میں تبدیل کر دیتا ہے اور یہ کفر کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اسے کبھی بھی غافل نہیں ہونا چاہیے بلکہ توبہ اور استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ تاکہ بخشش اپنی صلاحیت کو پہنچ جائے اور فضل قریب ہو۔ اپنے آپ کو ایسے کاموں میں مشغول رکھیں جن میں اللہ کی رضا شامل ہو، اگر آپ کبھی گناہ کے بارے میں سوچنے لگیں تو فوراً اپنے خیالات کو بدلیں اور ہر وقت اپنے دل میں اللہ کا خوف رکھیں۔ تاکہ جب بھی دل میلا ہونے لگے تو کوئی خوف خدا اس پر داغ نہ ڈال سکے۔

ناکامیوں پر عدم سکون کا علاج

کسی بھی مشکل کی تدبیر ہمیشہ مذموم کے لئے ہوتی ہے ناکہ محمود کے لئے کیونکہ محمود تو ازل سے نیکی کا معمہ ہے جو کہ اصل ہے۔ مذموم پر تدبیر کی جانے سے معمولات کو بہتر بنایا جاسکتا ہے اگر نصوص اور اقوالِ اہل میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کی ناکامی تو خود شعار ہے مقبول اور مسلسل کامیابی خصوصاً معاصی کے ساتھ مخذولین کا شعار ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ[31] عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

زاں بلاہا کانبیابر داشتند
سر بچرخِ ہفتمین افراشتند
گر مرادت رامذاق شکر است
بے مرادی نے مراد دلبر داست[32]

دعا کی برکت سے تقدیر کا ستارہ بدلا جاسکتا ہے اور ہر حال میں استقامت کے ساتھ دعا کرتے رہنا سنت اور وظیفہ عبدیت ہے۔

خلاصہ بحث

تصوف اسلام کی ایک شاخ ہے جو روحانی ترقی پر مرکوز ہے۔ اسلام کی بدولت دنیا کو ایسی بے شمار ہستیاں نصیب ہوئیں، جن کے زندہ افکار قرآن وسنت سے لبریز، متاثر کن کرداروں اور دل موہ لینے والے کاموں، تالیفات اور اشعار نے ہر دور میں انسانیت کی رہنمائی کی، ان میں سے ایک ہستی سیدنا مولانا جلال الدین محمد رومیؒ ہیں۔ مولانا رومی اپنے دور کے عظیم علماء میں سے تھے۔ وہ فقہ اور مذہب کے بڑے عالم تھے۔ لیکن وہ ایک صوفی شاعر کے طور پر مشہور ہوئے۔ آپ اپنی لازوال تالیف مثنوی کی وجہ سے پوری دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں مولانا رومؒ کو نہ صرف ایک شاعر بلکہ ایک جید صوفی اور بزرگ کے طور پر بھی بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ پاکستان اور ہندوستان کے ان صوفیاء میں سے ہیں جو انؒ کی تعلیمات سے متاثر تھے۔ مولانا رومؒ کی صوفی فکر نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کی صوفی فکر پر گہرا اثر ڈالا۔ آپؒ نے صوفیانہ موضوعات پر اپنی گفتگو میں مولانا روم کے اشعار سے مسائل کا حل تلاش کیا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تصوف کو سمجھنے کے لئے تین تنبیہات بتائی ہے کہ وہ سلیم الطبع ہو صحیح العقیدہ ہو اور اس کے اندر علمی استعداد ہو۔ مولاناؒ "مثنوی" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب صرف کتاب ہی نہیں بلکہ تصوف کی جامع تعریف ہے مولانا اشرفؒ 'مولانا رومؒ کی تعلیمات اور تصانیف سے متاثر ہو کر مثنوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کو پڑھنے والا صرف عالم ہی نہیں بلکہ اس کی برکت سے وہ باعمل بن جاتا ہے۔ طریقت کا تیسرا مرحلہ کامل مرشد سے بیعت ہے اور مرشد پاسِ انفاس کا درس دیتے ہیں۔ پاس انفاس سے مراد ہر سانس سے اللہ کا لفظ جاری ہو، کوئی لمحہ اللہ کے ذکر سے خالی نہ جائے۔ اللہ تعالی سے دعا استقامت کرے اور ہمت کے ساتھ اپنے نفس سے لڑتا رہے اور اس عبادات میں قضا نہ ہونے دے۔ حقیقت قرب کامل ایمان، عمل صالح کا نام ہے مصائب مجاہدہ انسان کے اختیار میں نہیں، لیکن ہمت سے کام لینا اپنے اختیار میں ہے۔ تصوف میں حضورِ قلب ہی مقصد نہیں بلکہ احضارِ قلب مقصد ہے۔ انسان کا ہر حال ناقص ہے۔ انبیاء کرام علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی ذات کامل نہیں۔ حصول کا آسان طریقہ عاجزی و انکساری ہے اور یہ اللہ کے قرب کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ معصیت ایک مہلک چیز ہے جس سے اجتناب کے کئی سو طریقے بتادیے ہیں اور توبہ کے دروازے کو آخری سانس تک نی بند کرنے کی وعید سنادی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ توبہ کو ضروری قرار دیتے ہیں اور توبہ خالصہ پر زور دیتے ہیں۔ اخلاص اور ہمت ہی تصوف کا خلاصہ ہے۔

References

[1]Muhammad Abdul-Majeed Yazdani, *Ganj-e-Matloob* (Lahore: Nashran-e-Quran limited), 85.

[2] Yazdani, *Ganj-e-Matloob*,74.

[3] Muhammad Siddique Hazarvi, *Al-Risāla al-Qushayriyya* (Lahore: Maktaba A'la Hazrat Darbar Market, 2009AD), 492.

[4] Yazdani, *Ganj-e-Matloob*, 82

[5] Ashraf Ali Thānvi, *Kaleed-e- Masnavī*(Multan: Idarah Tāleefat-e-Ashrafia, 1433 AH), 1:20.

[6] Thānvi, *Kaleed-e- Masnavī*,1:20

[7] Ahmad Ibn Hanbal, *Al-Musnad*,1:3568

[8] Muslim Ibn al-Hajjaj, *Sahih Muslim* (Multan: Dar Al-Hadith), 1:501

[9] Jalaluddin Mohammad Balkhi, *Masnavī Mawlvī Ma'nvī,* 1:90

[10] Al-Baqarah,2:152

[11] Al-Baqarah,2:201

[12] ʿAbd Allāh Ibn al-Mubārak, *Al-Zohd-wa al-Raqāiq* (Beirut: Darul Kutub Al Ilmiyah), 155.

[13] Muhammad Ibn Isma'il al-Bukhārī, *Sahih al-Bukhari* (Multan: Dar Al-Hadith), 6409.

[14] Muhammad Akhtar, *Ma'ārif-e-Masnavī* (Karachi: Kutub Khana Mazahari Gulshan-e-Iqbal), 368

[15] Al-Ankabut,29:69

[16] Sa'adi Shirāzī, *Būstān*, 10:1

[17] Al-Anbiyā', 21:86

[18] At-Tawbah,9:99

[19] Qaf50:16

[20] Sabā34:37

[21] Qasim Mehmood, *Shahkār Islamī Encyclopedia* (Lahore: Clifton Colony), 8:341,342.

[22] Thānvi, *Kaleed-e- Masnavī*, 22:139

[23]Muhammad Arif Akhtar, Brāheen -e- Qat'ya (Karachi: Kutub Khana Mazahari Gulshan-e-Iqbal, 1437AH), 33,

[24] Al-Baqarah,2:216

[25] Balkhi, *Masnavī Mawlvī Ma'nvī,* 23.

[26] Muhammad Abdul Hai Arifi, *Basāir-e-Hakim al-Ummat* (Karachi: Taj company limited), 236.

[27] Al-Balad,90:4.

[28] Al-Ankabūt,29:69

[29] Shams al-Dīn Mohammad Ḥāfeẓ-e Shīrāzī , Ghazaln , 8

[30] Thānvi, *Kaleed-e- Masnavī*, 189.

[31] Al-Baqarah,2:214.

[32] Thānvi, *Kaleed-e- Masnavī*, 113.